بینش فاطمہ

لیکچرار اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد۔

مسعودہ بی بی

اسکالر ایم فل اردو، الخیر یونیورسٹی بھمبر، آزاد جموں و کشمیر۔

منیر احمد یزدانی بطور اقبال شناس "شعور اقبال " کے تناظر میں

Beenish Fatima,
Lecturer Urdu, Federal Urdu University of Arts, Science & Technology, Islamabad.
Masooda Bibi,
Scholar Mphil Urdu, Al Khair University Bhimber, AJ&K.

Muneer Ahmed Yazdani as Iqbal Scholar in context of " Shaoor.e.Iqbal"

Muhammad Iqbal, also known as Allama Iqbal, is the National Poet of Pakistan. He is widely known as one of the most important figures in Urdu and Persian literature, having written numerous volumes of poetry in both languages. Allama Iqbal is undoubtedly one of the greatest poets, philosophers and seers of humanity of all times. He took a prominent part in the politics of the country and in the intellectual and cultural reconstruction of the Islamic world. His contribution to the literature and thought of the world will live for ever. He emerged as a philosopher and thinker and his thought and wisdom awakened the Muslims from their dream of negligence. Prof. Munir Ahmad Yazdani in his book "Shawar Iqbal" has understood the same thought of Allama Iqbal. In this article we will disscuss Muneer Ahmed Yazdani as Iqbal Scholar in context of ''Shaoor.e.Iqbal''.

دنیائے علم وادب کے نکتہ شناس بخوبی جانتے ہیں کہ بات اگر شخصیت کی پہچان کی ہو تو شاعر شعر سے ادیب ادب سے مفکرِ فکر سے مدّبر تدبیر سے اور مصور عکس سے پہچانا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کی پہچان کا محور یہ سب ہیں شاعری میں انہوں نے اسرارِ خودی سے ارمغان حجاز تک روشن چراغوں سے بزمِ سخن کو منور کر دیا۔ نثر نگاری میں انہوں نے علمَ الا قتصار سے خطبات تک اپنے افکار سے عالم اسلام میں تہلکہ مچا دیا۔ فکر کی راہوں سے عشق، خودی فقر اور مودِ مومن کے وہ نظریات وافکار قوم کے سامنے پیش کئے

جنھوں نے قوم کو بیدار ہی نہیں اسے سر گرم عمل بھی کر دیا اور مصور بن کر ایک مملکت اسلامی کی وہ تصویر بنائی جو خیال دیکھتے ہی دیکھتے ایک حقیقت بن گئی۔ یہ سب علامہ اقبال کی فکری، نظری اور شعری کاوشوں کی بدولت ممکن ہوا۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری سے مسلمانانِ برصغیر کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ علامہ اقبال کے دور میں برصغیر پر انگریز قابض تھے۔ اقبال دیکھ رہے تھے کہ مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں پس ماندہ ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو عمل کی تلقین کہ حرکت و عمل سے ہی مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبال ایک فلسفی اور مفکر کے طور پر ابھرے اور ان کی فکر و دانش نے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ پروفیسر منیر احمد یزدانی نے اپنی کتاب "شعور اقبال" میں علامہ اقبال کی اسی فکر کی تفہیم کی ہے۔

انہوں نے "شعور اقبال" میں جو مقالات تحریر کئے ہیں ان میں سے پہلے چار مقالات "متروکاتِ ضرب کلیم بحوالہ قلمی بیاض"، "ضرب کلیم کی چند نظموں پر محققانہ حواشی و تعلیقات"، "ضرب کلیم......چند مخفی گوشے"، "محرب گل افغان کے افکار" منیر احمد یزدانی کے مقالے کا حصہ ہیں جو تھوڑی بہت ترامیم و اضافے کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں باقی سات مقالات علامہ اقبال کی تدریسی خدمات، علامہ اقبال اور لاہور کی شعری مجالس، مقام انسان اور تسخیر کائنات، علامہ اقبال کے نظر میں، فکر اقبال اور برصغیر کی سیاست میں خطبہ الہ آباد کی اہمیت، علامہ اقبال کا فلسفہ سخت کوشی، علامہ اقبال کے تصور خودی کی ماہیت مراحل سرگانہ اور عوامل صعف و قوت علامہ اقبال کا تصور تقدیر بلمہ فکر کا ارتقاء اور عالم اسلام کی معاشرتی حالت، علامہ اقبال کی زندگی، شخصیت اور افکار کے حوالے سے ہیں۔ منیر احمد یزدانی نے "شعور اقبال" میں تحقیقی قواعد و ضوابط کا بہت خیال رکھا ہے۔ مصنف نے پوری کتاب میں حواشی و حوالہ جات پیش کرنے کا ایک طریقہ اختیار نہیں کیا۔ پہلے دو مقالات کے حواشی پاورقی ہیں پھر پہلے مقالہ کے آخر میں ماخذ بھی درج ہیں۔ اس کے علاوہ باقی تمام مقالات میں ہر مقالہ کے آخر میں حواشی و حوالہ جات درج کئے گئے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے "شعور اقبال......میری نظر میں" کے عنوان سے مصنف کی اس کاوش کو سراہا ہے اور ان کے فکر و فن کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"علامہ اقبال نے اپنی زندگی میں کم و بیش بیس ہزار شعر کہے ہیں۔ اشعار کی زیادہ تعداد ایسی ہے جن سے حرکت اور حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اور انسان ہر قسم کی مصیبت سے بچ کر عمل کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ پروفیسر منیر احمد یزدانی نے اقبال کے اسی شعور کو بھرپور انداز میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قارئین زیادہ سے زیادہ فکرِ اقبال کی گہرائی اور گیرائی سے آشنا ہوں۔ ان کی سوچ کے دھارے گنجلک نہیں۔ وہ بلا تکان علامہ اقبال کے افکار کو دلِ بیدار کے ساتھ صفحہء قرطاس کی زینت بنا دیتے ہیں۔ ان کا اسلوبِ نگارش سادہ بے تکلف، الجھاؤ سے پاک اور توانا ہے۔ خدا کرے پروفیسر منیر احمد یزادنی کا قلم اسی طرح تابندہ و پائندہ اور رواں دواں رہے جس طرح "شعور اقبال" میں نظر آرہا ہے۔"(1)

منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے حوالے سے اپنے تحقیقی و تنقیدی مقالات کو "شعور اقبال" کے نام سے کتابی شکل دی ہے۔ ان کے مقالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کلام اقبال پر بڑی عرق ریزی اور باریک بینی سے تحقیق کی ہے اور علامہ اقبال کا کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی دریافت کیا ہے جو کہ ایک قابل ستائش تحقیق ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تحریروں میں ایک تڑپ ہے کہ کس طرح فکرِ اقبال سادہ اور عام فہم انداز میں قاری تک پہنچے اور نوجوان نسل افکار اقبال کو اپنے لئے مشعل راہ بنا سکے۔ ڈاکٹر انور سدید "شعور اقبال" پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اقبال کے نور بصیرت کو عام کرنے کے لئے اب تک ان گنت اقبال شناس منظر عام پر آکر اپنے ذوق وظرف کے مطابق خدمات ادا کر چکے ہیں۔ ان میں منیر احمد یزدانی نسبتاً ایک نیا نام ہے لیکن یہ کتاب دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فکر اقبال کے ذہین قاری ہی نہیں بلکہ ان کے افکار کی بصیرت کو فروغ عام دینے والوں میں بھی دقیع مقام رکھتے ہیں۔"(2)

متروکاتِ ضرب کلیم بحوالہ قلمی بیاض ضرب کلیم: یہ "شعور اقبال" کا پہلا مقالہ ہے منیر احمد یزدانی نے ایم فل کی ڈگری کی تکمیل کے لئے مقالہ بعنوان "ضرب کلیم...... آخری تین حصے حواشی و تعلیقات" لکھا۔ اس مقالے کی تکمیل کے دوران مصنف کو قلمی بیاض ضرب کلیم کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ بیاض کے جائزے کے بعد ضرب کلیم کے حوالے سے جو نئی باتیں اور حقائق سامنے آئے انہیں "شعور اقبال" کے اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایم فل کے مقالے کا ما حصل اس میں پیش کیا گیا ہے۔ فاضل مصنف نے کچھ ایسی نظموں کی نشاندہی کی ہے جو ضرب کلیم میں شامل ہیں لیکن بیاض میں نہیں ہیں ان کی تعداد بائیس ہے جبکہ سرورق کا قطعہ بھی بیاض میں موجود نہیں ہے۔ ان نظموں میں پانچ نظمیں ایسی ہیں جو بیاض میں اصل حالت میں موجود ہیں لیکن ضرب کلیم میں شامل نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں دس نظمیں ایسی ہیں جنہیں علامہ اقبال نے بیاض میں لکھ کر قلم زد کر دیا۔ مصنف نے اس مقالے میں ان نظموں کو بھی غیر مطبوعہ کلام بھی شامل کیا ہے۔ اس مقالے میں مصنف نے ذہانت اور دانش مندی سے تحقیقی اسلوب اپناتے ہوئے قلمی بیاض ضربِ کلیم کا جائزہ لیا ہے اور فکر اقبال کے کئی نئے دریچے بھی وا کئے ہیں۔ یہ مقالہ تحقیقی اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے زبان و بیان کی علمی شان و شوکت اس بات کی غماز ہے کہ مصنف نے تحقیق کی راہوں میں کامیاب نشان ثبت کئے ہیں۔ اقبال میوزیم میں محفوظ قلمی بیاضوں اور مسودات کی روشنی میں نئے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیاض ضربِ کلیم کو ضمیمہ بنانے سے مقالے کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ پروفیسر غازی علم الدین ' منیر احمد یزدانی کی اقبال شناسی 'میں اس مقالے کے فکری و فنی پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شعور اقبال" اپنے مندرجات کے اعتبار سے تین حصوں پر مشتمل ہے پہلے چار مقالات ضربِ کلیم کے حوالے سے تحقیق پر مبنی ہیں۔ مصنف نے ایسے نکات تلاش کئے ہیں جو اس سے قبل دریافت نہیں کئے گئے ہیں۔ فاضل مصنف نے اقبال میوزیم میں

محفوظ قلمی بیاضوں، مسودات، خطوط اور دیگر بکھرے ہوئے دستاویزی مواد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے متروکات ضربِ کلیم پر محققانہ بحث کی ہے اور اقبال کے غیر مطبوعہ کلام کو منظرِ عام پر لانے کی سعیِ جمیلہ کی ہے۔"(3)

بیاض ضرب کلیم فل اسکیپ سائز کے ستائیس صفحات پر مشتمل ہے اس سے ضرب کلیم کے ابتدائی متن کے بارے میں مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مصنف نے اس میں علامہ اقبال کی بیاض نظموں کی ترتیب کو بیان کیا ہے۔ اور ان کے ساتھ لگائے گئے محققات اور عبارت کی بھی نشاندہی کی ہے۔ ضرب کلیم اور بیاض ضرب کلیم کا موازنہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بیاض میں ۱۸۹ نظمیں ہیں جبکہ ضرب کلیم میں نظموں کی تعداد ۲۰۶ ہے۔ ان میں سے کچھ نظمیں قلمی بیاض ضرب کلیم میں نہیں مگر ضربِ کلیم میں موجود ہیں اور کچھ نظمیں ایسی بھی ہیں جو قلمی بیاض ضربِ کلیم میں تو ہیں مگر ضربِ کلیم میں انہیں جگہ نہیں دی گئی۔

غیر مطبوعہ نظموں کی تفصیل اور ضربِ کلیم کی نظموں کی تعداد کے حوالے سے منیر احمد یزدانی لکھتے ہیں۔

"ضربِ کلیم اور بیاض کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیاض میں ۱۸۹ نظمیں ہیں جبکہ ضربِ کلیم میں ۲۰۶ نظمیں اور دو اشعار سرورق میں شامل نہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ معراج ۲۔ آزاد شمشیر کے اعلان پر ۳۔ ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام ۴۔ حکیم نطشہ

۵۔ وجود ۶۔ خاقانی ۷۔ مرزا بیدل ۸۔ سرودِ حرام ۹۔ اہل ہنر سے

۱۰۔ جمیعت اقوام

اور 'محراب گل افغان کے افکار' کی نظم نمبر ۶ اور ۱۰ تا ۲۰ یعنی بارہ نظمیں۔ اس طرح بائیس نظمیں بیاض میں شامل نہیں ہیں یہ بائیس نظمیں بیاض کی ۱۸۹ نظموں میں شامل کی جائیں تو ۱۸۹+۲۲=۲۱۱ میزان ہو گا۔ لیکن پانچ نظمیں ایسی بھی ہیں جو بیاض میں تو شامل ہیں لیکن ضربِ کلیم میں شامل نہیں اس طرح ۲۲-۵=۲۰۶ نظمیں بنتی ہیں جو ضربِ کلیم میں موجود ہیں۔ سرورق کے دو اشعار بھی بیاض میں شامل نہیں ہیں۔"(4)

منیر احمد یزدانی نے اس مقالے میں وہ پانچ نظمیں جو اصل حالت میں بیاض میں موجود ہیں لیکن ضربِ کلیم یا باقیات کلام اقبال کے کسی مجموعے کا حصہ نہیں ہیں درج کی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

☆برطانیہ

☆صوفی

☆حیاتِ ابدی

☆توجہ

☆آزادی شمشیر

منیر احمد یزدانی کے اس مقالے کے حوالے سے کل پندرہ نظمیں باقیاتِ کلامِ اقبال کے حوالے سے نئی دریافت ہیں۔ یہاں سے اس بات کا ذکر انتہائی ضروری ہے کہ "شعور اقبال" ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی جبکہ کلیاتِ باقیاتِ کلام اقبال مرتبہ ڈاکٹر صابر کلوروی ۲۰۰۴ میں طبع ہوئی۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے ضربِ کلیم کے حوالے سے غیر مطبوعہ کلام درج کیا ہے۔ لیکن صرف تیرہ مکمل نظمیں درج کی ہیں۔ یہ نظمیں "شعور اقبال" میں شامل ہیں جبکہ دو نظمیں "حضور سے" اور "حریف" ڈاکٹر صابر کلوروی "کلیات باقیاتِ کلامِ اقبال" میں موجود نہیں ہیں۔ اس طرح یہ دو نظمیں صرف "شعور اقبال" میں شامل ہیں یوں منیر احمد یزدانی کا یہ مقالہ غیر مطبوعہ کلامِ اقبال کی دریافت کے حوالے سے انتہائی اہم ہے۔ "کلیات باقیاتِ کلامِ اقبال" سے قبل شائع ہوئی۔ انہوں نے ضربِ کلیم کے آخری تین حصوں کی تمام نظموں کے متن کا موازنہ ضربِ کلیم کی تمام اشاعتوں اور بیاض ضربِ کلیم کے ساتھ اپنے ایم فل کے تحقیقی مقالے "ضرب کلیم آخری تین حصے، حواشی و تعلقات" میں کیا ہے اور نظموں اور مفرد اشعار میں علامہ اقبال نے جو ردوبدل کیا اور جو غیر مطبوعہ مفرد اشعار دریافت ہوئے۔ ان کی تفصیل اپنے مقالے میں پیش کی ہے۔

ضربِ کلیم کی چند نظموں پر محققانہ حواشی و تعلیقات: یہ مقالہ منیر احمد یزدانی کے مقالے کا حصہ ہے چونکہ ان کا ایم۔ فل کا مقالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا لہٰذا انہوں نے اپنی تحقیق کے چند نمونے "شعور اقبال" میں شامل کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب کا سب سے طویل مقالہ ہے جس میں چودہ نظموں کے حواشی و تعلیقات لکھے گئے ہیں۔ ان میں بارہ نظمیں ضرب کلیم کے حصہ "ادبیات فنونِ لطیفہ" سے منتخب کی گئی ہیں۔ لیکن اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی کہ ادبیات فنون لطیفہ میں موجود نظموں کی ترتیب میں ردو بدل کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی جبکہ جو نظمیں سیاسیات مشرق و مغرب سے لی گئی ہیں اور ان کی ترتیب ضربِ کلیم کے مطابق ہے۔ مصنف نے تحقیقی ضوابط کو پیش نظر رکھتے ہوئے ماخذ اور وضاحت طلب امور کو حواشی و تعلقات میں درج کیا ہے۔ جن نظموں پر حواشی و تعلقات کا کام ہوا ذیل میں ان کا مختصر سا تعارف پیش خدمت ہے۔

نظم "جنوں" میں منیر احمد یزدانی نے علامہ کے افکار کی روشنی میں عشق کی طاقت و قوت کو بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک عشق میں بڑی قوت و وسعت ہے۔ جو انسان کو کائنات کی تسخیر کی راہ دکھاتی ہے۔ علامہ اقبال کا عشق ہمہ جہت ہے۔ اور عشق کا بلند ترین درجہ خدا اور اس کے رسول ﷺ سے عشق کی صورت ہے انسان جنون میں مبتلا ہو کر وہ کام کر گزرتا ہے جو عقل نہیں کر سکتی

۔" پیرس کی مسجد" اس نظم میں منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے قیام پیرس کو خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے اور علامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں مسجد کی تعمیر اور اس کے پس منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ جنگ عظیم اول سے پہلے دشمن اسلام نے مراکو، الجیریا اور تیونس کو زیر نگین کیا اور جنگ عظیم کے بعد ملک شام پر قبضہ کر لیا اور ان ملکوں کے مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ایک طرف تو یہ ظالمانہ طرز عمل روا رکھا تو دوسری طرف مسلمانانِ عالم کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے پیرس کی مسجد تعمیر کی۔ چونکہ دشمنان اسلام نے مسجد کی تعمیر ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لئے تھی اس لئے اقبال نے غیرتِ ملی سے متاثر ہو کر یہ نظم لکھی تھی۔ علامہ اقبال کے اس نظم کے ہر شعر سے مسجد کی تعمیر کے پس منظر کی عکاسی ہوتی ہے۔ مصنف نے فکرِ اقبال کو سادہ تحقیقی انداز میں اپنے موئے قلم سے خوبصورت رنگوں کا اضافہ کر کے دلچسپ بنادیا ہے۔ منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے بھوپال میں "ریاض منزل دولت کدہ راس مسعود" میں قیام کے دوران تخلیق ہونے والی نظم "نگاہ" کے بارے میں دلچسپ حقائق کے ساتھ ساتھ خوبصورت الفاظ میں عکاسی بھی کی ہے۔ اس نظم کا ایک ایک مصرع۔ ایک ایک لفظ حسن فطرت کی ایک ایک ادا آئینہ جمال ہے۔ یہ نظم دلکش منظر نگاری اور حسن فطرت کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔ نظم کا پس منظر اور وجہ جاننے کے لئے مصنف نے راس مسعود کے پرسنل سیکرٹری ممنون حسن جان کا بیان نقل کیا ہے جو صہبا لکھنوی نے اپنی کتاب "اقبال اور بھوپال" میں بیان کیا ہے۔

"علامہ اقبال کا قیام "ریاض منزل" میں ہوا۔ یہ مکان بھوپال کے مشہور تالاب بڑے تال کے کنارے ہے بھوپال کا یہ مقام حسین اور دلفریب ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس سرزمین کے لئے قدرت کا ایک حسین عطیہ ہے۔ اس مکان کے بالائی حصے میں راس مسعود نے ایک کمرہ بنوایا تھا اس میں انہیں ٹھہرایا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں بیٹھ کر اقبال نے نظم "نگاہ" تخلیق کی تھی۔" (5)

دراصل اس نظم میں علامہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قدرت نے انسان کے لئے اس کے گرد و پیش بے شمار نظارے بکھیر دیئے ہیں۔ انہیں دیکھنے کے لئے صرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت ہے یہی نظارے انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ایمان کو تازہ اور پختہ کرتے ہیں۔ مصنف نے اس نظم کی تعلیقات میں بھوپال "سر راس مسعود" اور "ریاض منزل" کا بھرپور تعارف بھی لکھا ہے۔ جس سے اقبالیات کے قارئین کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے مصنف کی محنت اور تحقیقی مشقت لائق ستائش ہے۔ نظم "مسجد قوت اسلام" کی وجہ تخلیق اور اس کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف نے بتایا کہ "مسجد قوت اسلام" دہلی کی اس بڑی مسجد کا نام ہے جس کی بنیاد دہلی کی فتح کے بعد سلطان قطب الدین ایبک نے ۱۱۹۳ء میں رکھی۔ علامہ اقبال علاج کی غرض سے بھوپال جا رہے تھے تو دہلی میں رکے اور اپنے بیٹے جسٹس (ریٹائرڈ) جاوید اقبال کے ہمراہ قطب مینار

گئے۔ دوران زیارت مسجد کی شکوہ تعمیر اور شان وشوکت سے متاثر ہو کر نظم کا خاکہ ذہن میں بنالیا تھا۔ جبکہ اس کی تخلیق بھوپال سے واپسی پر ہوئی تھی۔ اس مسجد کے حوالے سے سید عابد علی عابد لکھتے ہیں۔

"اس مسجد کا انداز تعمیر عراقی ہے......دیواروں پر پھول اور بیل بوٹے منقش ہیں اس کے علاوہ ہندی اشکال بھی دکھائی دیتی ہیں...... علامہ مرحوم کو اس مسجد سے عقیدت اس لئے تھی کہ اس کی تعمیر میں ہندو کاریگروں کا ہاتھ نہ ہونے کے برابر تھا اور اسلوب بھی خالص اسلامی تھا۔ اس میں جو پروقار سادگی اور ہیبت وشکوہ نظر آتا ہے وہ ہندوستان کی دوسری مساجد میں مفقود نظر آتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ مغلیہ زمانہ کی مساجد میں عراقی، ایرانی اور ہندو صنعت گروں نے تال میل سے ایسی عمارات تعمیر کی ہیں جن میں ہیبت وو قار کی بجائے نفاست ونزاکت زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ تاج محل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ خواب مرمریں ہے موتی مسجد موتی زیادہ اور مسجد کم اس کے برخلاف مسجد قوت الاسلام میں ستونوں کی وضع قطع اور گنبدوں کی ساخت سے واضح ہوتا ہے کہ معمار ربِ جلیل کی عبادت گاہ بنانا چاہتے تھے۔'(6)

نظم "جدت" میں منیر احمد یزدانی نے علامہ کے افکار کی روشنی میں جدت یعنی قدرت فکر، فکر تازہ اور تخلیق کی قدر وقیمت اور اس کے فوائد سے آگاہ کیا ہے۔ نظم کے اشعار کا مفہوم اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر دوسروں کے خیالات کی پیروی کرنے کی بجائے خود اپنی قوت اور سوچ کی نشوونما کریں اور اس خداداد صلاحیت کو مرتبہ کمال تک پہنچائیں تو پھر ساری کائنات انسان کی تابع ہو جائے گی۔ مصنف نے علامہ اقبال کے اس فکر کی بہترین عکاسی کی ہے کہ تعمیر خودی کے لئے جدتِ افکار ضروری ہیں تقلید خودی کی نفی ہے اور اس سے انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کا ضیاع ہے۔ "مرزا بیدل": پروفیسر منیر احمد یزدانی نے اس نظم میں عظیم آباد (پٹنہ) کے مشہور فارسی شاعر مرزا عبدالقادر بیدل کے افکار وخیالات پر بحث کی ہے۔ یہاں مصنف نے اس بات کو بھی واضح کیا ہے کہ علامہ اقبال نے مرزا بیدل کے اس شعر پر تضمین کی ہے جس میں اس نے دنیا کی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ دنیا حقیقی ہے یا غیر حقیقی۔ چونکہ علامہ اقبال پر بیدل کے زبان واسلوب کا بھی اثر ہے اس لئے مصنف نے تعلیقات میں علامہ اقبال کی مرزا بیدل کے ساتھ وابستگی کو متعدد مقامات پر مختلف حالات واقعات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ نظم "سرودِ حلال" میں مصنف نے عمدہ انداز اپناتے ہوئے سادہ اور رواں اسلوب میں فکرِ انگیز معلومات فراہم کی ہیں۔ مصنف نے علامہ کے نظریات کی روشنی میں جائز موسیقی کے قلب انسانی پر اثرات کو بیان کیا ہے۔ کہ وہی موسیقی سننے کے قابل ہے جس سے روحانیت کو تقویت ملے اور انسان خوف وغم سے نجات حاصل کرکے دائمی سرور اور ابدی اطمینان پالے۔ علامہ اقبال اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور قرآن وسنت کی تلاوت سننے کو بندہ مومن کے لئے سرور واطمینان کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور یہی مومن کی شان ہے۔ قرآنی آیاتِ مبارکہ سے بھی اس بات کی وضاحت کی گئی ہے۔ تعلیقات میں مصنف نے نظم میں استعمال ہونے والے لفظ "ایازی

"اور "مقام محمود" کا مختصر مگر جامع تعارف بھی بیان کیا ہے۔" سرودِ حرام" منیر احمد یزدانی علامہ اقبال کے فکر و فن کا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ نظم "سرودِ حرام" میں علامہ اقبال کے نظریہ موسیقی کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ علامہ نے ایسی موسیقی کو حرام اور ناجائز قرار دیا جس کے سننے سے انسان کو قوتِ عمل مردہ اور وہ کشمکش حیات سے کنارہ کش ہو جائے۔ وہ عمل جو قوم کو غفلت اور بے عملی میں مبتلا کر دے اس سے اجتناب کرتا چاہتے۔ اس بات کی وضاحت مصنف نے آیاتِ مقدسہ کی روشنی میں کی ہے ۔"نگاہ شوق" اس نظم میں منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے فکر و فلسفے کا تحقیقی انداز میں جائزہ لیتے ہوئے بڑے محتاط انداز میں جذبہ عشق کے ثمرات بیان کئے ہیں کہ کس طرح 'نگاہ شوق' نفرت و عداوت کو محبت و اخوت کے رشتے میں پرو دیتی ہے۔ یعنی جذبہ عشق سچا ہو تو دنیا میں امن و سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ مصنف نے قرآن پاک کی آیات اور اشعار کے ذریعے نگاہ کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ مصنف نے "نگاہ شوق" کی طاقت و اہمیت کو ڈاکٹر محمد ریاض کے اس اقتباس سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

"1۔ یہ نگاہ کے کرشمے ان (علامہ اقبال) کو شاہ صاحب (سید علی ہمدانی) کی "جلالی" اور "روحانی" شخصیت میں نظر آئے۔ ان کی "نگاہ" جس پر بھی "جمال" سے پڑی کندن بن گیا۔ "جلال" اور "قہر" سے پڑی تو خاکستر ہو گیا۔ اس ضمن میں ایک دو دلچسپ واقعات درج ہیں۔

صاحب "خلاصتہ المناقب" میں لکھا ہے کہ مسافرت کے دوران شاہ صاحب ایک ایسے مقام پر پہنچے (شاید جزائر مالایو میں) جہاں کے لوگ ایک مقفل دروازے کے بارے میں منعقد تھے کہ جو رات کو داخل ہو خفیہ طور پر مر جاتا ہے اور صبح اس کی لاش ہی ملتی ہے۔ شاہ صاحب اصرار کر کے وہاں داخل ہوئے۔ آدھی رات کے وقت دو ساحر عورتیں شمع بدست وہاں جا نکلیں (تاکہ ان کا کام تمام کریں اور لوگوں کے اعتقاد کو برقرار رکھ کر اپنی دکان سجائے رکھیں) شاہ صاحب نے اپنی نگاہِ خاص ڈالی اور مساحرات خاکستر ہو گئیں۔

2۔ کشمیر کی مشہور عارفہ، شاعرہ اور صوفیہ لل ودی بابا طاہر کی مانند "عریاں" رہا کرتی تھیں اور کہتی تھی کوئی مرد نظر آئے تو پردہ کروں ۔ اتفاق سے ایک دن شاہ صاحب کی "نگاہ" اس پر پڑی ہوش میں آ گئی۔ دوڑی ہوئی ایسی جا رہی تھی جیسے ارشمیدس اصول حجم جاننے پر "آج مرد دیکھ لیا اب عریاں نہیں رہوں گی" غرض شاہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام لے آئی اور ایک باشرح خاتون کی مانند مرید بن گئی" (7)

"اہلِ ہنر سے" علامہ اقبال کا فلسفہ خودی تمام تر فکری و علمی کاوشوں کا نچوڑ ہے۔ منیر احمد یزدانی نے نظم "اہل ہنر سے" میں علامہ کے اس فلسفے کی توضیح بیان کی ہے۔ علامہ اقبال اہل ہنر کو خودی کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ خودی کی تکمیل سے ہی انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اگر انسان کی خودی بیدار ہو جائے تو پھر ساری کائنات اس کی غلام ہو گی

اور وہ جنون اور انسانوں پر حکمرانی کرے گا۔ تحقیقی انداز میں مصنف کے اسلوب کا خاصہ ہے اور کمال ہنر مندی سے اہل ہنر سے مخاطب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بنایا۔ فرشتوں سے سجدہ کروایا اور بزرگی اور فضیلت والے انسان کے لئے یہی بات بہتر ہے کہ وہ اپنا کام اور بہتر بھی بزرگی اور فضیلت والا پیش کرے۔ "اقبال:" اس مختصر سی نظم میں علامہ اقبال نے اپنی فکر کا نچوڑ کر دیا ہے۔ ضربِ کلیم کی تقریباً تمام نظمیں مختصر اور موضوعاتی ہیں لیکن ان میں فکر کی گہرائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس نظم کی اہمیت کا اندازہ منیر احمد یزدانی کی اس وضاحت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ بیاض میں ان اشعار کے ساتھ "ٹائٹل پیج" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ علامہ اقبال ان اشعار کو سر ورق پر لکھنا چاہتے تھے لیکن ضربِ کلیم کی اشاعت کے وقت ان اشعار کو سر ورق پر لکھنے کی بجائے "ادبیات فنون لطیفہ" کے باب میں شامل کر دیا۔ اس لئے بیاض میں اس کا عنوان نہیں لکھا گیا۔ علامہ اقبال نے اس نظم میں نہ صرف اپنے کلام پر تبصرہ کیا ہے بلکہ مولانا روم، حکیم سنائی اور منصور حلاج کا مقام اور ان کے ساتھ اپنا تعلق اور اپنا مقام بھی واضح کیا ہے۔ نظم کی تعلیقات میں مصنف نے مولانا روم حکیم سنائی اور منصور خلاج کے بارے میں تفصیلاً تعارف بھی پیش کیا ہے۔ "نفسیات غلامی" علامہ اقبال نے جہاں قوم کو فلسفہ حیات دیا۔ اوصاف مردِ مومن سے آگاہ کیا بلند پروازی شاہین کے راز کو اختیار کیا وہاں انہیں حیاتِ انسانی کے اسرار و رموز بھی سمجھائے ہیں۔ نظم "نفسیات غلامی" میں منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے اسی فلسفے کے ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بندہ مومن کیلئے غلامی خطرناک ہے۔ غلام نہ اپنا آپ پہچان سکتا ہے اور نہ خدا کا جلوہ دیکھ سکتا ہے۔ ایمان کی روشنی غلامی کی تاریکی میں گم ہو جاتی ہے۔ علامہ نے پستی میں گرے ہوئے مسلمانوں کو خوئے غلامی سے نجات دلا کر آزادی فکر کا درس دیا اور اشعار میں جابجا غلامی کی "کرلمات" پر اظہار خیال کیا۔ مصنف نے ضربِ کلیم کی نظموں میں آزادی و غلامی کے افعال کے موازنے کا ذکر کیا ہے۔ "بلشویک روس": اس نظم میں منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے نظریات و خیالات کی روشنی میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مشیتِ ایزدی کے طریقے انسان فہم سے بالاتر ہیں کوئی نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کے اس نظام کائنات میں کل کیا ہونے والا ہے۔ آج روس میں جو لوگ عیسائیت کے مخالف ہیں کل تک یہی لوگ عیسائیت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لادین افراد کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ عیسائیوں کے قائم کردہ نظام کو فنا کر دینے کے درپے ہیں اور زارِ روس مسیحیت کی حفاظت کا بڑا مرکز بلشویکوں کے عہد میں تمام مذاہب کا کٹر دشمن بن گیا۔

"ضرب کلیم......چند مخفی گوشے" میں منیر احمد یزدانی نے ان عنوانات کے تحت ضربِ کلیم کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ "کلام اقبال میں ضربِ کلیم کی اہمیت اور پس منظر"، "ضربِ کلیم کی تخلیق و ترتیب"، "ضرب کلیم کا نام"، "ضرب کلیم کا سر ورق"، "ضربِ کلیم کی نظموں کی تعداد"، "بھوپال میں لکھی گئی نظموں کی تعداد"، "ضربِ کلیم کے مختلف اشاعتوں کی تفصیل۔" اور "انتساب" وغیرہ۔ اس

مقالے میں مصنف نے کلامِ اقبال میں ضربِ کلیم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ ضربِ کلیم اقبال کی دوسری تمام کتابوں پر حاوی ہے۔اس لئے کہ یہ علامہ اقبال کی پختہ عمر کا کلام ہے علامہ اقبال کی شعری تصانیف میں ضربِ کلیم ان کی زندگی میں شائع ہونے والی آخری اردو شعری تصنیف ہے۔انہوں نے نہایت مختصر مگر فکر انگیز انداز میں دورِ حاضر کے مسائل پر جدید رجحانات کی روشنی میں بحث کی ہے اور دنیا کے تمام مسائل پر اسلامی نقطہ ءنظر سے تنقید کی ہے۔ضربِ کلیم کی مختصر سی نظمیں اپنے اندر معانی کا سمندر لئے ہوئے ہیں چونکہ علامہ اقبال نے پختہ عمر کو پہنچ کر اس کتاب کو تخلیق کیا ہے اس لئے اس میں فنی و فکری حوالے سے بہت زیادہ گہرائی اور گیرائی پائی جاتی ہے۔ منیر احمد یزدانی نے "ضرب کلیم....چند مخفی گوشے" کے آغاز میں ضربِ کلیم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"ضرب کلیم علامہ اقبال کی اہم ترین شعری تصنیف ہے۔ فکری اعتبار سے یہ علامہ اقبال کے پورے کلام پر حاوی ہے۔ کیونکہ اس میں ان کا پختہ عمر کا کلام شامل ہے۔اس لئے قدرتی طور پر اس میں خیالات کی گہرائی اور پختگی نظر آتی ہے۔"(8)

منیر احمد یزدانی نے اس مقالے میں علامہ اقبال کے تمام افکار و خیالات مختصر مگر جامع صورت میں پیش کئے ہیں اور عہد حاضر کے مسائل پر بڑی عمدگی سے تبصرہ کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے فکر و فن سے امتِ مسلمہ خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کی بیداری کا کام کیا۔ضربِ کلیم کی اشاعت کے بعد ۲۳ اگست ۱۹۳۶ء کو "انقلاب" میں ضربِ کلیم کے متعلق ایک اداریہ لکھا گیا۔انہوں نے "ضربِ کلیم" کی تخلیق و ترتیب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔اگرچہ "ضربِ کلیم" جولائی ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی لیکن اس کی تخلیق و ترتیب کا آغاز ۱۹۳۴ء میں ہو چکا تھا۔ گویا جب بالِ جبریل طباعت کے آخری مرحلے میں تھی تو "ضربِ کلیم" کی نظموں کی تخلیق و ترتیب کا کام جاری تھا۔ "ضربِ کلیم" کی وجہ تسمیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر موصوف نے بتایا کہ "ضربِ کلیم" کا نام پہلے "صورِ اسرافیل" رکھا گیا۔لیکن بعد میں اس کا نام "ضربِ کلیم" تجویز ہوا مصنف اس بات کی وضاحت میر عبدالصمد خان کی کتاب "خوشحال و اقبال" میں علامہ اقبال کے ایک افغان دوست رسالدار سجید گل کے بیٹے زریں خان سے لئے گئے انٹرویو کو شامل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک دفعہ رسالدار صاحب نے علامہ اقبال سے پوچھا کہ انہوں نے اپنی کتاب کا نام "ضربِ کلیم" کیوں رکھا؟انہوں نے فرمایا خاں صاحب! آپ تو جانتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی ضرب اتنی کاری اور گہری تھی کہ ایک ہی ضرب سے فرعون غرقِ نیل ہو گیا ان انشاءاللہ اس کتاب کا بھی ایک ایک شعر ضرب کاری ثابت ہوگا۔"(9)

"ضرب کلیم" کے سرورق کے بارے میں مصنف نے قارئین اقبال کو بہت مفید معلومات سے نوازا ہے۔پروفیسر موصوف نے ان اشعار کی نشاندہی بھی کی ہے جو علامہ اقبال نے سرورق کے لئے لکھے تھے لیکن بعد میں "ضربِ کلیم" کے باب "ادبیات فنونِ

لطیفہ "میں نظم اقبال کے عنوان سے شامل کر دیئے۔ کتاب کا انتساب فرمانروائے بھوپال اعلیٰ حضرت نواب حمید اللہ خان کے نام ہے۔ پروفیسر منیر احمد یزدانی نے اس انتساب کی توضیح و تشریح پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے اس اقتباس سے یوں کی ہے۔

"میں نے اس انتساب کے علت پر بارہا غور کیا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی کہ مرحوم فطرتاً بہت احسان شناس واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ مجھے ان کی خدمت میں ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۸ء تک حاضری کا موقع ملا اور ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ان کے ساتھ کوئی سلوک کرتا تھا تو وہ ہمیشہ اس کا تذکرہ شکر گزاری اور ممنونیت کے رنگ میں کیا کرتے تھے"(10)

اس مقالے کے آخری حصہ میں منیر احمد یزدانی نے ثابت کیا کہ بھوپال میں قیام کے دوران اقبال نے ضربِ کلیم کی ۱۳ نہیں ۱۵ نظمیں تخلیق کیں۔ اسی طرح نظم "مناصب" اور "نفسیاتِ غلامی" کے دو شعروں کے بارے میں بتایا کہ "ضربِ کلیم" اور "کلیات اقبال اردو" کی تمام اشاعتوں میں ان اشعار کو داوین میں لکھا گیا ہے۔ مگر قلمی بیاض ضربِ کلیم میں دونوں اشعار داوین کے بغیر درج ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسی اور شاعر کے اشعار نہیں بلکہ اقبال کے اپنے ہیں۔ مصنف نے نئے حقائق کو سامنے لاتے ہوئے عمدہ تحقیق کی ہے۔ اقبال شناسی میں منیر احمد یزدانی کی نظر وسیع اور غائر ہے۔ ایک محقق، مدرّس اور مصنف ہونے کے ناطے انہوں نے فکرِ اقبال کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سادہ اور عام فہم انداز میں انجام دیا ہے۔ ضربِ کلیم سے متعلق مواد کی فراہمی ان کی تحقیقی کاوشوں کا زندہ ثبوت ہے۔ معروف اقبال شناس ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

"منیر احمد یزدانی نے ضربِ کلیم پر جو تحقیقی کام کیا ہے اس کی زیادہ تر اساس "اقبال میوزیم" میں محفوظ بیاضوں اور مسودات پر ہے۔ ان بیاضوں کی مدد سے انہوں نے متعدد نظموں سے متعلق بعض اہم نکات کی نشاندہی کی ہے جو اب تک قارئین اقبال کی نظروں سے اوجھل تھے۔ ان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ علامہ اپنے بعض اشعار کی ترتیب میں کیا ردوبدل اور تقدیم و تاخیر کرتے رہے اور کس کاوش سے بعض مصرعوں کو فنی اعتبار سے خوب تر اور بہتر بنانے کے لئے مسلسل کوشاں رہے۔ علامہ اقبال کے شعری فن پر کام کرنے والوں کے لئے ان تبدیلیوں اور ترامیم سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں شعر اقبال کی ان بیاضوں سے علامہ اقبال کے تخلیقی ذہن کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔"(11)

شعور اقبال کے مقالات علامہ اقبال کی فکر سے ماخوذ روشنی اور امید کی کرن ہیں جو قارئین اقبال کے لئے کسی بیش قیمتی خزانہ سے کم نہیں اور جس کو پڑھ کر جہاں ایک طرف معلومات میں اضافہ ہوتا ہے وہاں فکرِ اقبال کے کئی نئے دریچے بھی وا ہوتے ہیں۔ منیر احمد یزدانی کے تخیل اور افکار پر علامہ اقبال کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے اور یہ اثر جابجا ان کی تحریروں سے عیاں ہے۔ "محراب گل افغان کے افکار" میں منیر احمد یزدانی نے افغانستان اور افغان قوم کے ساتھ علامہ اقبال کے مراسم اور ان کے بارے میں علامہ اقبال کے

نظریات کو بیان کیا ہے۔ یہ ضربِ کلیم کا آخری باب ہے۔ نوعیت کے اعتبار سے تحقیقی اسلوب رکھتا ہے۔ اس میں بیس قطعات بلا عنوان ہیں اور سب کا عنوان "محراب گل افغان کے افکار" ہے۔ دراصل اس میں علامہ اقبال نے محراب گل افغان کے فرضی نام سے اپنے افکار و خیالات ظاہر کئے ہیں۔ مصنف نے علامہ اقبال کے اشعار کی مدد سے افغان قوم کے شاندار ماضی اور روشن مستقبل کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور افغان قوم اور افغانستان کے ساتھ تعلق اور افکار پر روشنی ڈالی ہے۔ مصنف نے تحقیقی انداز میں اپناتے ہوئے اس بات کی نشاندہی بھی کی ہے کہ علامہ اقبال کے افغان قوم اور افغانیوں کے ساتھ تعلق کا ذکر اس سے پہلے پیام مشرق (اشاعت اول ۱۹۲۳ء) اور بانگِ درا (اشاعت اول ۱۹۲۴ئ) میں بھی ملتا ہے۔ جس میں انہوں نے افغان قوم کے ساتھ اپنی دلی وابستگی کا اظہار مختلف صورتوں میں کیا ہے اور افغان قوم کو ان کی ذہنی و فکری حالت بدلنے کے لئے خوشحال خان خٹک کی شاعری کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ علامہ اقبال نے خوشحال خان خٹک پر مضمون لکھ کر ان کی شاعری کو برصغیر کے ان مسلمانوں میں روشناس کروایا جو پیشتر نہیں جانتے تھے۔ خوشحال خان خٹک کی فکر انگیز شاعری نے علامہ اقبال کو اتنا متاثر کیا کہ نثر میں کسی شاعر پر لکھا جانے والا یہ ان کا واحد مکمل مضمون ہے۔

اس مقالے میں منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کی تحریروں تقریروں اور بیانات سے اقتباسات نقل کر کے "محراب گل افغان کے افکار" کی علامہ اقبال کی شاعری اور زندگی میں اہمیت کو واضح کیا ہے۔ علامہ اقبال کی افغانستان اور افغانیوں کے ساتھ وابستگی کا اندازہ "ماڈرن افغانستان" نامی کتاب کے پیش نظر لفظ سے ہوتا ہے جو علامہ اقبال نے ۱۹۳۴ء میں لکھا فرماتے ہیں۔

"میں ہمیشہ سے افغان قوم کو لامتناہی قوتوں کا حامل سمجھتا ہوں۔۔افغانیوں کی تاریخ کا نہ اب تک بغور مطالعہ کیا گیا ہے۔۔اور نہ ہی بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔۔۔۔وہ قوم جس نے محمد غوری، علاوالدین خلجی، شیر شاہ سوری، احمد شاہ ابدالی، امیر عبدالرحمان خاں، بادشاہ نادر شاہ اور سب سے بڑھ کر سرسید جمال الدین افغانی جیسے سپوت پیدا کئے جو بعض پہلوؤں سے عظیم مسلمان تھے اور ہمارے دور کے یقیناً عظیم ترین ایشیائی زندگی کا ایک اہم جزو تسلیم کیا بغیر چارہ نہیں۔ قدیم زمانے میں بڑی مدت تک بلخ بامیاں، جدہ، کابل، غزنی اور ہرات تہذیب و ثقافت کے اہم مرکز رہے ہیں۔"(12)

"علامہ اقبال اور لاہور کی شعری مجالس" پروفیسر منیر احمد یزدانی نے "علامہ اقبال اور لاہور کی شعری مجالس" میں تحقیقی نتائج اخذ کرتے ہوئے علامہ اقبال کی شعر گوئی پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اگرچہ علامہ اقبال کی شاعری کا آغاز زمانہ طالب علمی سے ہی ہو گیا تھا۔ لیکن ان کے شعری ذوق کو جلا لاہور پہنچ کر ملی۔ مصنف نے علامہ اقبال کے لاہور کے مشاعروں میں متعارف ہونے کو نہ صرف علامہ کی اپنی زندگی کے لئے بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کے لئے بھی اہم واقعہ قرار دیا ہے۔ لاہور کے مشاعروں میں علامہ اقبال کی شرکت کو مصنف نے دلچسپ نگارش کی بہترین عکاسی کی ہے۔ مصنف نے علامہ کی "انجمن حمایت اسلام" کے سالانہ

جلسوں میں مختلف اوقات میں شرکت اور وہاں پڑھی جانے والی نظموں کے تاریخی ارتقاء پر اس انداز سے روشنی ڈالی ہے کہ کسی مقام پر بھی تشنہ زبان اور پر اثر اسلوب اور اعلیٰ معیار پر آنچ نہیں آنے دی لاہور کی شعری مجالس میں علامہ اقبال کی شرکت کے واقعات اس بات کے گواہ ہیں کہ علامہ اقبال لاہور کی علمی و ادبی فضاء پر چالیس سال تک چھائے رہے۔

"مقامِ انسان اور تسخیر کائنات علامہ اقبال کی نظر میں" اس مقالے میں پروفیسر منیر احمد یزدانی نے فکرِ اقبال کے حوالے سے انسان اور کائنات کے باہمی تعلق پر فاضلانہ بحث کی ہے۔ علامہ اقبال کے افکار و نظریات کے گہرے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان کی فکر کا محور و مرکز "انسان" ہے۔ علامہ اقبال نے کائنات میں انسانی برتری کے مضمون کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور اس بات کا احساس دلایا ہے کہ انسان کائنات میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن کر آیا ہے تو اسے اپنے مقام و مرتبہ کو پہچاننا چاہیے۔ مصنف نے کائنات میں انسان کو اس کے مقام و مرتبے کی آگاہی کے ساتھ ساتھ اس کی اعلیٰ حیثیت کو واضح کرتے ہوئے کائنات کو مسخر کرنے کا درس دیا تاکہ وہ اپنی مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خلافتِ الٰہی کی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہو سکے ۔کیونکہ علم انسانی خودی کا وہ کرشمہ ہے جس کے باعث انسان کو فرشتوں پر برتری حاصل ہوئی۔ مصنف نے کائنات میں انسانی عظمت و فضیلت کو علامہ کے اشعار، خطبات اور قرآنی آیاتِ مبارکہ کی روشنی میں واضح کیا ہے۔ منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں انسان کو اس کی بے پناہ صلاحیتوں کی بناء پر کائنات کا بنیادی نقطہ قرار دیا ہے۔ انسان کی اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بناء پر علامہ نے اپنی شاعری میں کہیں خودی کی پرورش کا درس دیا تو کہیں عشق کی خوبیاں بتا کر ایک ہی جست میں پوری کائنات کو پھلانگ کر آگے نکل جانے کی تلقین کی اور کہیں مردِ مومن کا کردار پیش کر کے اسے کائنات کو مسخر کرنے کا درس دیا ہے۔ علامہ اقبال نے نہ صرف شاعری میں بلکہ اپنے خطبات میں بھی انسان کی اہمیت و فضیلت کو قرآنی آیات کی روشنی میں واضح کیا ہے اور انسان کو اپنی خودی اور باطنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا درس دیا ہے تاکہ کائنات کے غیر منظم حصہ میں ربط پید اکر کے اسے مسخر کرے اور خداتعالیٰ کی نیابت کا حق بخوبی ادا کیا جا سکے۔ علامہ اقبال خودی کے ذریعے انسان کو بلند مقام حاصل کرنے کا درس دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی آب و تاب اور شانِ ربانی انسان کے ذریعے نمایاں کی ہے۔ تخلیق کائنات کا سبب دراصل تخلیق آدم ہے علامہ اقبال کے نزدیک کائنات کی تخلیق محض اس مقصد کے پیشِ نظر ہوئی ہے کہ انسانی خودی کے ظہور اور اسکی تکمیل کے لئے زمین تیار کی جائے۔

بقول جگن ناتھ آزاد:

"کائنات اگر ایک تمثیل ہے تو انسان اس تمثیل کا عظیم ترین کردار ہے انسان ایک ایسی کتاب ہے جس میں کائنات کی حیثیت محض ایک دیباچے کی ہے۔ انسان کے بغیر کائنات بالکل ایسی ہی ہے جیسے "ہملٹ" "پرنس آف ڈنمارک کے بغیر۔"(13)

منیر یزدانی نے علامہ اقبال کے اشعار کی روشنی میں انسان اور انسانی زندگی کی پوری حقیقت کو کمال ہنری مندرسے صفحہء قرطاس کی زینت بنایا ہے۔ انسانی عظمت اور کائنات میں انسان کی برتری ہی علامہ کی فکر کا حاصل ہے۔ وہ انسان میں اس صفت کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ کائنات میں اضافہ اور جہانِ دیگر کی تعمیر کرے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں صرف انسان ہی اس قابل ہے کہ وہ خودی کی تعمیر و تکمیل کے بعد کائنات کے پوشیدہ راز پا سکتا ہے۔ انسان نظام کائنات میں اہم ترین ہستی ہے اور ساری کائنات اس کی دسترس میں ہے اسے چاہیے کہ اپنی تخلیق کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اپنی شخصیت، انا یا کودی کو مضبوط کرئے اور اس مضبوط طاقت وری خودی کے زور سے تکمیل کائنات اور تسخیر کائنات کے عمل کو مکمل کرتا ہوا اس ذاتِ مطلق تک رسائی حاصل کرے۔ جس نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ "فکر اقبال اور بر صغیر کی سیاست میں خطبہ الٰہ آباد کی اہمیت" اس مقالے میں پروفیسر منیر احمد یزدانی نے فکرِ اقبال کے حوالے سے خطبہ الٰہ آباد کی اہمیت کا تعین کرنے کے لئے علامہ اقبال کی سیاسی و ملی خدمات کو سراہا ہے ۔علامہ کا یہ خطبہ تصور پاکستان میں اہم دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ مصنف نے مسلم لیگ کے جلسے میں علامہ کے خطبے کی تفصیل کے ساتھ ساتھ ان وجوہات کی نشاندہی بھی کی ہے جس کی بناء پر یہ جلسہ بار بار ملتوی ہوا اور بر صغیر کی سیاست میں علامہ اقبال کے ذہنی و فکر ارتقاء کا ماحصل بھی پیش کیا۔ یہ مقالہ تحقیقی ضوابط کی پابندی کی بناء پر دقیع اور معیاری ہے اور علامہ کی فکر کا آئینہ دار بھی۔ فاضل مصنف نے اس میں یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ علامہ اقبال نے نہ صرف شاعری بلکہ نثر، تقاریر اور خطبات کے ذریعے بھی اپنی فکر کو لوگوں تک پہنچایا اور اپنی ساری زندگی بر صغیر کے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کی بقاء کے لئے جدوجہد میں گزار دی۔ اسی جدوجہد کی جامع اور مدلل دستاویز یہ خطبہ الٰہ آباد ہے۔ اس خطبے میں علامہ نے اپنے ملی نظریات سماجی اور سیاسی افکار کو نہایت جامع انداز میں پیش کیا۔ چونکہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھوں اپنے جداگانہ تشخص کے مٹ جانے کا خدشہ تھا اس لئے علامہ اقبال نے ایک ایسی ریاست کے خواہاں تھے جس میں روحانی اور مادی عناصر نہایت خوبی کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر انسانیت کو معراج کمال تک پہنچانے کا سامان مہیا کرتے ہیں اس لئے یہ خطہ بر صغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ علامہ اقبال نے اس خطبے میں مسلمانوں کو اسلام کے اصولوں پر کاربند ہونے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا ہے کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا۔ مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر آج آپ اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جائیں گی اور آپ کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔"(14)

منیر یزدانی نے اقبال کے افکار سے روشناس کراتے ہوئے اس بات کا احساس دلایا کہ اقبال کے افکار و خطبات امتِ مسلمہ بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تاریکی میں مینارہ نور ثابت ہوئے۔ "علامہ اقبال کا فلسفہ سخت کوشی": علامہ نے نزدیک مردِ مومن سخت کوش ہوتا ہے اس لئے خودی کے تمام مراحل کو آسانی سے طے کرتا ہوا جملہ طاغوتی طاقتوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال کو مشرق و مغرب کے حکماء میں منفرد مقام حاصل ہے انہوں نے دلکش پیرایہ میں فکر و عمل کا درس دیا ہے ان کے نزدیک زندگی کا راز سخت کوشی میں ہے۔ سخت کوشی انسان کی پوشیدہ و خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرتی ہے اور اسی سے روحانی و مادی فتوحات نصیب ہوتی ہیں۔ علامہ اقبال کی تلقین سخت کوشی دراصل انسان کو اس قوت کو حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے جس کے حصول کے بعد انسان اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض بطریق احسن انجام دے سکتا ہے۔ مومن اگر خود مضبوط اور سخت ہو گا تو وہ دین کی حفاظت و اشاعت کے مقصد کو پورا کر سکے گا۔ منیر احمد یزدانی نے کمال مہارت سے اس بات کو واضح کیا کہ علامہ نے احساس کمتری میں مبتلا مسلمان قوم کو حرکت و عمل کا درس دے کر اس قابل بنایا کہ وہ اپنے لئے الگ ملک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ زندگی کا راز محنت میں پوشیدہ ہے دلِ بیدار اور حوصلے قوی منزل تک پہنچنے کا راستہ ہیں سخت اور مخدوش حالات سے انسانی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آتی ہیں۔ علامہ اقبال کے تصورِ خودی کی ماہیت مراحل سہ گانہ اور عوامل ضعف و قوت" اس مقالے میں پروفیسر منیر احمد یزدانی نے خودی کے فلسفے کو اقبال کے افکار و اشعار کی مدد سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی کو سمجھنے کے لئے اس بات کا جاننا از حد ضروری ہے کہ اقبال نے روایتی شاعری میں جہاں بہت سے اصطلاحات اور تلمیحات کو نیا مفہوم دیا ہے وہاں خودی کا مفہوم بھی روایتی مفہوم سے بالکل مختلف بلکہ کسی حد تک متضاد ہے۔ اقبال سے پہلے خودی کا لفظ غرور و تکبر کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا لیکن اقبال نے خودی کو نئے معنی عطاء کئے۔

"خودی" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "خود کا شعور" یعنی اپنے آپ کو پہچاننا۔ علامہ اقبال نے خود شناسی، خود آگاہی، عرفانِ ذات اور احساسِ ذات کو خودی سے تعبیر کیا ہے اور مختلف مواقع پر مختلف انداز میں عمل پیہم، جہد مسلسل اور حالات سے نبرد آزما ہونے اور ہر قیمت پر حفاظت کرنے کی بڑے مؤثر اور بلیغ انداز میں تلقین فرمائی ہے۔ مصنف نے خودی کی اقسام اور لفظ خودی کی ماہیت قرآن و احادیث محققین و ناقدین اور علامہ اقبال کی تحریروں سے اقتباسات پیش کر کے واضح کی ہے۔ مثنوی اسرارِ خودی کے پہلے ایڈیشن میں علامہ اقبال نے اردو میں ایک دیباچہ بھی لکھا جس میں علامہ اقبال نے خودی کے مفہوم کو واضح کیا ہے لکھتے ہیں۔

"لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم محض احساس نفس یا تعین ذات ہے"(15)

علامہ کے نزدیک خودی ایک لازوال حقیقت ہے اور وہی افراد و اقوام عزت و وقار حاصل کر سکتے ہیں جن کی انفرادی اور اجتماعی خودی مضبوط ہو۔ ڈاکٹر نکلسن کی فرمائش پر "مثنوی اسرارِ خودی کی فلسفانہ بنیاد" کے عنوان سے ایک مضمون علامہ اقبال نے تحریر کیا تھا اس میں لکھتے ہیں۔

"حیا انفرادی شئے ہے اور اس کی اعلیٰ شکل.....انا (خودی) ہے۔ جس کی بدولت فرد ایک واحد مستقل اور کافی بالذات مرکز بن جاتا ہے (16)"۔

علامہ اقبال کا فلسفہ خودی فکرِ اقبال کی مختلف جہتوں کو روشن کرتا ہے اور ہمیں یہ شعور دیتا ہے کہ اس فقط باطنی اور روحانی بیماریوں سے ہی چھٹکارا نہیں ملتا بلکہ پوری کائنات کو مسخر کرنے کی طاقت بھی فراہم کرتا ہے۔ "فلسفہ خودی" فکرِ اقبال کا بنیادی نکتہ ہے ۔منیر یزدانی نے فلسفہ خودی میں علامہ کے بنیادی عناصر فکر پر مختصر تکر جامع بحث کی ہے۔ اور قاری کو مربوط، منظم اور سیر حاصل مواد مہیا کیا ہے کہ خودی، خود آگہی، خود نگری اور شعور اور شعورِ ذات کا علم ہی نہیں بلکہ اس علم کی روشنی میں اپنی پوشیدہ اور خوابیدہ خداداد صلاحیتوں کو ابھارنے اور انہیں تکمیل تک پہنچانے کا عمل بھی ہے۔ مصنف نے خودی کی مختلف خوبیوں کو بیان کرنے کے بعد استحکام خودی کی تلقین کی ہے۔ علامہ اقبال کے تصورِ خودی پر تبصرہ کرتے ہوئے عبد السلام ندوی لکھتے ہیں۔

"خودی سے فخر و غرور مراد نہیں بلکہ اس سے وہ استقلال ذاتی مراد ہے جو ہر مخلوق کے علم و عمل کو ایک مخصوص دائرے میں نمایاں کرتا ہے۔ اس کی ذات و صفات کی بود و نمود کے مظاہر متعین کرتا ہے اور اس کی نشو و نما اور بالیدگی کے سامان فراہم کرتا ہے اس لئے وپ جوہر ہے غرض نہیں آفتاب ہے آفتاب کا سایہ نہیں۔ متحرک ہے ساکن نہیں۔ غرض وہ ایک حقیقی زندگی کی تمام لذتیں اس کے استحکام، اس کی توسیع اور اس کے اثبات سے وابستہ ہیں۔"(17)

مصنف نے ترتیب خودی کے تینوں مراحل پر عمدہ انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے ارتقائی نقطِ نظر سے اس بات کی وضاحت کی کہ اطاعت کے مرحلے میں توحید و رسالت کی اطاعت سے گزر کر ہی انسان صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا حق دار ٹھہرتا ہے۔ ضبط نفس سے مراد اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع کرنا اور پر امن چیز سے بچا جائے جو اسلام کے منافی ہو۔ مصنف نے ضبط نفس میں علامہ اقبال کے اس فلسفے کو بیان کیا کہ جو شخص اپنی ذات اور اپنے نفس کی طنابیں اپنے بلند تر معیارات کی دسترس میں رکھنے کے قابل نہیں وہ خودی کی دولت سے کوسوں دور ہے۔ تربیت خودی کا تیسرا مرحلہ نہایت الٰہی ہے جب انسان تربیت خودی کے پہلے مراحل بطریق احسن طے کرتے ہوئے شریعتِ محمدی کا سچا پیروکار رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس انسان کو اپنا نائب منتخب کر لیتا ہے۔ اس مقام کا حامل انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پیشِ نظر رکھتا ہے اور لوگوں کی اصلاح و فلاح اس کا مطمع نظر ہوتا ہے۔ پس مرد مومن ہی نیابت الٰہی کا سچا پرتو ہے۔ زندگی ایک سعی مسلسل ہے انسان کے اندر زندگی کا مرکز خودی کی تکمیل،

اطاعت، ضبط نفس اور ذوق عمل سے ہوتی ہے۔ مصنف نے خودی کو مستحکم کرنے والے عوامل عشق، رواداری، شجاعت، پیکار و کشمکش، فقر و استغنا کے ساتھ ساتھ خودی کی نفی کرنے والے عوامل کا ذکر بھی ہے۔، علامہ اقبال کے نزدیک خودی کی تربیت اور استحکام کے لئے لازمی ہے کہ زندگی کے بنیادی محرکات عشق، فقر مقاصد آفرینی شجاعت اور حصولِ رزق کی طرف بھرپور توجہ دی جائے۔ جو لوگ رزقِ حلال نہیں کماتے ان کی خودی فنا ہو جاتی ہے۔ کیونکیہ ایسا رزق دل سیاہ اور عمل کی تمام صلاحیتیں زنگ آلود کر دیتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس رزقِ حلال کی تگ و دو کشمکشِ حیات کے لئے آمادہ کرتی ہے اور انسان کی باطنی طاقتوں کو جلا بخشتی ہے۔ مصنف نے علامہ کے اس خیال کو تقویت بخشی ہے کہ ہر وہ چیز جائز اور معتبر ہے جس سے انسانی خودی کو تقویت ملے اور ہر وہ شئے باطل جو خودی کو کمزور کر دے۔

"علامہ اقبال کا تصور تقدیر مسلم فکر کا ارتقاء اور عالم اسلام کی معاشرتی حالت"" شعور اقبال "کا آخری مقالہ ہے اس مقالے میں جبر و قدر کے مسئلے پر پروفیسر منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے نکتہ نظر کی وضاحت کی ہے اور تقدیر کی عام زندگی میں اہمیت اور اس کے روایتی تصور پر روشنی ڈالی ہے۔ تقدیر کے روایتی تصور میں جبر کے عقیدے کو فوقیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے اس کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف کچھ لوگ "قدر" کے عقیدہ کے قائل ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرنا جانتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ تقدیر کے روایتی تصور سے مسلمانوں میں میں کئی قسم کی خرابیوں نے جنم لیا۔ کچھ لوگوں نے عبادات اور اچھے اعمال اس لئے ترک کر دیئے تھے کہ جنت اور دوزخ تو مقدر میں لکھے جا چکے ہیں لہذا عبادت و ریاضت سے کیا فائدہ! اور کچھ لوگ نے اس بات کا بہانہ بنا کر کہ مشیت الٰہی نے ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ہر طرح کے برے اعمال و افعال کو حرز جان بنالیا ہے۔ علامہ اقبال نے اس تصویر کی نفی کرتے ہوئے عمل کو تقدیر سے تعبیر کیا۔ اور خالصتاً اسلامی تصور تقدیر پیش کیا اور بتایا کہ انسان کو عمل و ارادہ کی آزادی ہے۔ انسان تقدیر کا پابند نہیں بلکہ وہ جیسے اعمال کرتا ہے اس کی تقدیر ویسی ہی بن جاتی ہے۔ منیر احمد یزدانی نے علامہ اقبال کے فکر عمل سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ جب تک انسان اپنے عمل سے آزاد ہو کر اپنی صلاحیتوں کی اپنی کوشش سے بروئے کار نہیں لاتا نیک و بد غلط و صحیح میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس وقت تک وہ خودی کی اکملیت تو نہیں پا سکتا کیونکہ تقدیر پر اندرونی صلاحیتوں اور ناقابلِ حصول امکانات کا نام ہے۔ پروفیسر منیر احمد یزدانی علامہ اقبال کے فکر و فن کا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ ان کی تحقیق کا دائرہ فکرِ اقبال کے روشن پہلوؤں کو عام لوگوں کے دل و دماغ تک پہنچانا ہے۔ زیر نظر مقالے میں تحقیقی اسلوب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تقدیر کے تعلق کو کائنات کے معبود کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اس خیال کی تائید کی کہ دنیا میں انسان کو اپنی صلاحیتوں کی مدد سے اپنا مقام پیدا کرنا ہے۔ پر شخص اپنے اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہو گا۔ اگر وہ تعمیر ذات کے لئے سرگرم عمل ہے تو اس کا مقام

بلند ہے ورنہ کم ہستی کا مظاہرہ کرنے پر مجرم رہے گا۔اسے طرح خیر وشر میں تمیز کرنا اسکا اپنا میدان عمل ہے وہ مجبور محض نہیں ۔مصنف نے اشعار، قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبوی کی روشنی میں انسان کی انفرادیت و یکتائی کو بڑے سادہ اور موئثر انداز میں بیان کرتے ہوئے اس نظریے کا پرچار کیا کہ جس کی بناء پر نہ کوئی دوسرے کا بوجھ اٹھا سکتا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ اسے اپنی کوشش کے سوا کچھ ملے۔ انسان کا تخلیقی عمل ہے حقیقتاً انسانی زندگی کا ثبوت ہے اور یہی عمل اسے دوسرے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتا ہے۔ پروفیسر غازی علم الدین "منیر احمد یزدانی کی اقبال شناسی" میں اس مقالے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"آخری مقالہ تقدیر جیسے دقیق، اہم اور علمی مگر بے حد نازک موضوع سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ جس میں فاضل مصنف نے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی روشنی میں اقبال کے تصورِ تقدیر کر اجاگر کیا ہے۔"(18)

منیر احمد یزدانی نے اپنی خدا داد صلاحیتوں اور فکری و نظر بصیرت سے کام لے کر "شعور اقبال" کے ذریعے فکرِ اقبال کو اس عمدگی سے لفظوں کا جامہ پہنایا کہ مفاہیم بھی اچھی طرح ادا ہو گئے اور افکار و نظریات کی دلکشی و تاثیر میں فرق بھی نہ آیا۔ انہوں نے علامہ اقبال کے افکار سے اس حقیقت کو واضح بنا کر ثابت کیا اقبال کی شاعری نہیں بلکہ وہ ایک فکر کی مربوط کڑی ہے ۔جو تاثیر کے ساتھ فکر کو جلا بخشتی ہے اور زندگی کو منزل کا پتہ بتاتی ہے اسی طرح ان کا فلسفہ خواہ بصورت شعر ہو یا انداز نثر کا شاہکار حقیقت میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو سوئے منزل کا پتا دیتا ہے۔ المختصر! "شعور اقبال" اقبال شناسی کے حوالے سے موضوع اور اسلوب دونوں اعتبار سے اچھوتی اور منفرد ہے اور فکرِ اقبال کی بہترین عکاس بھی۔ اور ادب کے خزینے میں ایک اہم اضافہ ہے۔

حوالہ جات

1۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، "شعورِ اقبال۔۔۔میری نظر میں "تبصرہ، "شعورِ اقبال "منیر احمد یزدانی، پروفیسر، ادبستان، لاہور، ۲۰۰۱، ص ۱۸

2- انور سدید، ڈاکٹر، مشمولہ، نوائے وقت سنڈے میگزین، لاہور، ۲۶ اگست ۲۰۰۱ء ص ۱۹

3۔ غازی علم الدین، پروفیسر، "منیر احمد یزدانی کی اقبال شناسی" مضمون، غیر مطبوعہ، مملوکہ

4۔ منیر احمد یزدانی، پروفیسر، شعور اقبال، ادبستان، لاہور، ۲۰۰۱ء ص ۲۹

5۔ صہبا لکھنوی، بحوالہ، منیر احمد یزدانی، ایضاً، ص ۵۱

6۔ عابد علی عابد، بحوالہ ایضاً ص ۵۹، ۶۰

7۔ محمد ریاض، علامہ، بحوالہ منیر احمد یزدانی، "شعورِ اقبال"، ادبستان، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۹

8۔ منیر احمد یزدانی، پروفیسر، شعورِ اقبال ایضاً، ص ۹۱

9۔ عبد الصمد خاں، میر، ایضاً، ص ۹۹

10۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، ایضاً، ص ۱۰۰

11۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، حرفے چند، "شعورِ اقبال" ادبستان، لاہور، ۲۰۰۱ء ص ۱۵

12۔ عبد الواحد معینی، بحوالہ منیر احمد یزدانی، "شعورِ اقبال" ادبستان، لاہور، ۲۰۰۱ء
ص ۱۱۰۔۱۰۹

13۔ جگن ناتھ آزاد، بحوالہ، منیر احمد یزدانی، ایضاً، ص ۱۵۱

14۔ لطیف احمد خاں شروانی، بحوالہ، منیر احمد یزدانی، شعورِ اقبال، ادبستان، لاہور، ۲۰۰۱ء
ص ۱۶۵

15۔ عبد الواحد معینی، سید، بحوالہ، منیر احمد یزدانی، شعورِ اقبال، ادبستان، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۸۶

16۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، ایضاً ص ۱۸۶

17۔ عبد السلام ندوی، مولانا، بحوالہ، منیر احمد یزدانی، ایضاً ص ۱۸۳

18۔ غازی علم الدین، پروفیسر، "منیر احمد یزدانی کی اقبال شناسی" غیر مطبوعہ، مملوکہ